تدبرِ قرآن

۳۱

لقمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

دونوں سابق سورتوں —— العنکبوت اور الروم —— کی طرح اس سورہ کا قرآنی نام بھی 'الٓمّٓ' ہی ہے۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کے عمود و مضمون میں فی الجملہ اشتراک ہے۔ اس سورہ کی تمہید سورۂ بقرہ کی تمہید سے ملتی جلتی ہوئی ہے اور بقرہ کا قرآنی نام بھی یہی ہے۔ بقرہ کی تمہید میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے لوگ اس کتاب پر ایمان لائیں گے اور کس قسم کے لوگ اس سے اعراض کریں گے۔ اسی طرح اس سورہ کی تمہید میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے لوگ اس برکت و رحمت سے فائدہ اٹھائیں گے اور کون لوگ اس سے محروم رہیں گے۔

سابق سورہ میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ یہ قرآن اس دینِ فطرت کی دعوت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اس دعوے پر آفاق و انفس کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ اس سورہ میں آفاق و انفس کے دلائل کے ساتھ ساتھ عرب کے مشہور حکیم —— لقمان —— کے نصائح کا حوالہ دیا گیا ہے جس کا مقصود اہلِ عرب پر یہ واضح کرنا ہے کہ ان کے اندر جو صحیح فکر و دانش رکھنے والے لوگ گزرے ہیں انھوں نے بھی انہی باتوں کی تعلیم دی ہے جن باتوں کی تعلیم یہ پیغمبر دے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقلِ سلیم (COMMON SENSE) انہی باتوں کے حق میں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، نہ کہ ان باتوں کے حق میں جن کی وکالت قرآن کے مخالفین کر رہے ہیں۔ یہ اس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اصل فطرت یہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ سوچنے سمجھنے والے لوگ ان حقائق تک کس طرح پہنچتے؟

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مغربی فلاسفہ جب اخلاقیات پر بحث کرتے ہیں تو اس کی بنیاد وہ عقلِ عام کے معروف اخلاقی مسلّمات (COMMON SENSE ETHIOS) ہی پر رکھتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں بتا سکے کہ یہ اخلاقی مسلّمات کہاں سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک حکیم فاطر اور فطرۃ اللہ کو تسلیم کرنے سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔ اس حقیقت سے گریز کی سزا ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ دی کہ ان کا سارا فلسفۂ اخلاق بالکل بے بنیاد اور بے معنی ہو کے رہ گیا ہے۔ ان کی تمام فلسفیانہ کاوشیں نہ تو نیکی اور بدی کے امتیاز کے لیے کوئی کسوٹی معین کر سکیں اور نہ وہ یہ بتا سکے کہ کیوں انسان کو نیکی کرنی چاہیے اور کیوں بدی سے بچنا چاہیے۔ سود مندی، لذت، خوشی اور فرض برائے فرض وغیرہ کی قسم کے جتنے نظریات بھی انھوں نے ایجاد کیے سب باد ہوا ثابت ہوئے اور خود انہی نے ان کے بخیے

ادھیڑ کے رکھ دیے۔ قرآن نے نہ صرف اخلاقیات کی بلکہ پورے دین کی بنیاد فطرت پر رکھی ہے اور یہ فطرت چونکہ ایک حکیم فاطر کی بنائی ہوئی ہے اس وجہ سے کسی کے لیے اس سے انحراف جائز نہیں ہے۔ جو شخص اپنی فطرت سے انحراف اختیار کرے گا وہ اپنے آپ کو تباہ اور اپنے فاطر کو ناراض کرے گا۔ انسان کی رہنمائی کے لیے اس کی فطرت اپنے اندر حقائق و معارف کا خزانہ رکھتی ہے لیکن انسان اپنے ماحول سے متاثر ہو کر بگڑ بھی سکتا ہے اور اپنے اختیار سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنی فطرت کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے سے فطرت کے تمام مضمرات واضح کر دیے تاکہ کسی کے لیے کسی التباس و اشتباہ کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ بلکہ ہر شخص فطرت کی سیدھی راہ پر چل کر دنیا کی فوز و فلاح اور آخرت میں اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر سکے۔

اس سورہ میں لقمان کی حکمت کے حوالے سے مقصود، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، قرآن کی تائید میں ایک ایسے حکیم کی شہادت پیش کرنا ہے جس نے زندگی کے حقائق پر غور کیا تھا اور جو قرآن کے مخالفین کے نزدیک بھی نہایت ہی بلند پایہ اور واجب الاحترام حکیم سمجھا جاتا رہا ہے۔ ساتھ ہی اس میں قرآن کی دعوت کی تائید میں آفاق و انفس کے دلائل ایک نئے اسلوب سے پیش کیے گئے ہیں۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱ — ۱۱) یہ کتاب ایک پُر حکمت کتاب ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت بن کر نازل ہوئی ہے لیکن اس کا فیض انہی لوگوں کو پہنچے گا جو اپنی فطرت کی صلاحیتیں زندہ رکھنے اور ان سے کام لینے والے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اس حکیمانہ کلام پر مخالفین کی مزخرف باتوں کو ترجیح دیتے اور اس سے متکبرانہ اعراض کر رہے ہیں تو وہ اپنے اس استکبار کی پاداش میں ذلت کے عذاب سے دوچار ہوں گے، عزت و سرفرازی صرف اس پر ایمان لانے والوں ہی کو حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ شدنی ہے اس لیے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب خدا ہی کی مخلوق ہے، کسی اور کی اس میں کوئی حصہ داری نہیں ہے۔ جو لوگ مدعی ہیں کہ اس میں کسی اور کی بھی حصہ داری ہے وہ دکھائیں کہ ان کے معبودوں نے کیا پیدا کیا ہے۔

(۱۲ — ۱۹) لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی ہے اس کا حوالہ، جس سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ اہل عرب جس کی حکمت پر فخر کرتے اور جس کی روایات ان کے لٹریچر میں موجود ہیں، اس نے بھی اپنے بیٹے کو انہی باتوں کی نصیحت کی تھی جن کی دعوت یہ حکیمانہ کتاب دے رہی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عقل سلیم اسی دعوت کے حق میں ہے۔ جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں وہ درحقیقت عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیم سے جنگ کر رہے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لیے خاص طور پر تنبیہ ہے جو اس دور میں، جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں گزر چکا ہے، اپنے بیٹوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے ان پر ظلم کر رہے تھے۔ گویا قرآن نے یہ دکھایا ہے کہ لقمان اپنے بیٹے کو جن باتوں پر کاربند ہونے کے لیے اس دل سوزی سے نصیحت کرتے تھے آج انہی باتوں سے روکنے کے لیے باپوں کی طرف سے

بیٹوں پر ستم ڈھانے جا رہے ہیں۔

(۲۰-۲۴) تمہید کے مضمون کی تائید کہ جتنی ظاہری و باطنی نعمتیں انسان کو ملی ہوئی ہیں وہ ہیں تو سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ، اور اس حقیقت سے کسی کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بہت سے نادان لوگ اللہ کی توحید کے باب میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے، نہ کسی حکیم یا کسی پیغمبر کی رہنمائی اور نہ کسی کتاب الٰہی کی روشنی، اور جب ان کو اللہ کی کتاب کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے تو بڑے پندار کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے کی پیروی کرتے رہیں گے اگرچہ ان کے باپ دادا شیطان کی پیروی کرتے رہے ہوں۔ خدا کے ساتھ تعلق کی مضبوط رسی صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو خدا کی اتاری ہوئی کتاب کی پیروی کریں اس لیے کہ بالآخر تمام امور کا فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ ایسے سرپھرے لوگوں کا غم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایک دن ان لوگوں کا انجام ان کے سامنے رکھ دے گا۔

(۲۵ - ۳۰) مخالفین کی تردید میں خود ان کے اعتراضات کا حوالہ کہ یہ لوگ خود اپنے مسلّمات کے لوازم کو تسلیم کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ ان کو اعتراف ہے کہ تمام آسمان و زمین کا خالق اللہ ہی ہے تو جب وہی خالق ہے تو شکر اور عبادت کا حقدار اس کے سوا کوئی اور کس طرح ہو سکتا ہے؟ ہر چیز اسی کے قبضہ و تصرّف میں ہے۔ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے۔ وہ کسی کے ہاتھ بٹانے کا محتاج نہیں اور وہ خود ستودہ صفات ہے اس وجہ سے اس کی نظر عنایت کو متوجہ کرنے کے لیے کسی کی سفارش کی حاجت نہیں۔ اس کی قدرت و حکمت کی اتنی نشانیاں اس کائنات میں موجود ہیں کہ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر، مزید سات سمندروں کے اضافے کے ساتھ، روشنائی بن جائیں جب بھی اس کی تمام نشانیوں کو قلم بند کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے تمام خلق کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا ویسا ہی ہے جیسا ایک جان کو پیدا کر دینا۔ رات اور دن سب اسی کے حکم سے گردش کرتے ہیں اور وہ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔ اگر اس کائنات کے نظام میں کسی اور کا بھی دخل ہوتا تو یہ درہم برہم ہو کے رہ جاتا۔

(۳۱ - ۳۴) کشتی کی تمثیل سے مخالفین کو تنبیہ کہ ذرا میں اترانے والے اور ذرا میں مایوس ہو جانے والے نہ بنو بلکہ نعمت میں شکر کرنے والے اور مصیبت میں صبر کرنے والے بنو۔ آج جو کچھ تمھیں حاصل ہے اس کا حق یہ ہے کہ اپنے رب کے شکر گزار بنو اور اس دن کو یاد رکھو جس دن نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آسکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے۔ اس دن کا آنا ایک امر قطعی ہے۔ محض اس بنیاد پر اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ آج تمھیں اس کے ظہور کا وقت نہیں معلوم ہے۔ زندگی کی کتنی حقیقتیں ہیں جن کے ظہور کا وقت کسی کو معلوم نہیں لیکن کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کرتا۔ حقیقی علیم و خبیر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ (۳۱)

مَكِّيَّةٌ ——— اٰيَاتُهَا ۳۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً آیات
لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ۱-۱۱
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ
لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا
هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى
الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ
فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع ۱ ۱۰

ترجمہ آیات ۱-۱۱

یہ الٓـمّٓ ہے۔ یہ پُر حکمت کتاب کی آیات ہیں۔ ہدایت و رحمت بن کر نازل ہوئی ہیں خوب کاروں کے لیے۔ ان کے لیے جو نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یہی لوگ یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ ۱-۵

اور لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فضولیات کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کریں بغیر کسی علم کے۔ اور ان آیات کا مذاق اڑائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اس طرح متکبرانہ اعراض کرتے ہیں گویا ان کو سنا ہی نہیں، گویا ان کے کانوں میں بہرا پن ہے تو ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو! البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے نعمت کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کے رہے گا۔ اور وہ غالب و حکیم ہے۔ ۶-۹

اس نے بنایا آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جو تمھیں نظر آئیں اور زمین میں پہاڑ گاڑ دیے کہ وہ تمھارے سمیت لڑھک نہ جائے اور اس میں ہر قسم کے جانذار پھیلائے۔ اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پس اس میں نوع بنوع فیض بخش چیزیں پیدا کیں۔ ۱۰

یہ ساری چیزیں تو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ تو اب مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں جو اس کے سوا ہیں! بلکہ یہ ظالم لوگ ایک صریح گمراہی میں مبتلا ہیں!! ۱۱

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الٓمّٓ (۱)

حروفِ مقطعات پر ایک جامع بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ (۲-۳)

اس کتاب سے فائدہ وہی اٹھائیں گے جن کی صلاحیتیں زندہ ہیں

تِلْكَ کا اشارہ الٓمّٓ کی طرف ہے۔ اس سورہ کا قرآنی نام یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورہ ایک پُرحکمت کتاب کی آیات پر مشتمل ہے لیکن حکمت کے جواہر ریزوں کا قدردان ہر شخص نہیں ہوتا۔ ان کی قدر کرنے والے وہی لوگ ہوں گے جو 'محسن' ہوں گے۔ 'مُحْسن' سے مراد وہ خوب کار لوگ ہیں جنھوں نے اپنے سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے صحیح کام لیا، اپنی فطرت کی صلاحیتوں کو زندہ رکھا اور اپنی بصیرت کے حد تک جو قدم بھی اٹھایا صحیح سمت میں اٹھایا۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لیے یہ آیات ہدایت اور رحمت ہیں۔ وہ دنیا میں ان سے ہدایت حاصل کریں گے اور آخرت میں ان کے لیے یہ باعثِ فضل و رحمت ہوں گی۔ لفظ 'مُحْسن' پر ہم پیچھے بھی اس کتاب میں بحث کر چکے ہیں اور آگے آیت ۲۲ میں بھی یہ آرہا ہے۔ وہاں ان شاء اللہ اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔ اس تمہید ہی سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ اس کتاب کی ناقدری کر رہے ہیں ان کی یہ ناقدری اس کتاب کے بے قیمت ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ان ناقدروں کی فطرت کے مسخ ہونے کی دلیل ہے۔ اس وجہ سے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان لوگوں کے رویے سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۴)

'محسنین' کی صفات

یہ 'مُحْسِنِیْن' کی صفات بیان ہوئی ہیں اور ان کے پردے میں وہ لوگ نگاہوں کے سامنے کر دیے گئے ہیں جو اس وقت اس لفظ کے صحیح مصداق تھے۔ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں۔

'وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ' میں ان اہل ایمان کی غایت درجہ تحسین ہے۔ یعنی درحقیقت یہی لوگ ہیں جو آخرت پر پکا یقین رکھنے والے ہیں۔ اسی یقین کا یہ ثمرہ ہے کہ ان کو نماز اور زکوٰۃ کے اہتمام کی توفیق حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نماز اور زکوٰۃ سے غافل ہیں وہ درحقیقت آخرت کے یقین سے محروم ہیں اور اگر وہ اس کے مدعی ہیں تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵)

فرمایا کہ یہی لوگ اس دنیا میں اپنے رب کی صراطِ مستقیم پر ہیں اور یہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے بنیں گے۔ باقی سارے لوگ گمراہی پر ہیں اور وہ آخرت میں جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا

هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔(٦)

لَهْوَ الْحَدِيْثِ کا مفہوم

'اِشْتِرَاء' کے معنی، جیساکہ اس کے محل میں ہم وضاحت کر چکے ہیں، ترجیح دینے کے بھی آتے ہیں۔ 'لَهْوَ الْحَدِيْثِ' اسی طرح کی ترکیب ہے جس طرح دوسرے مقام میں 'زخرف القول' کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ یہاں یہ لفظ کتابِ حکیم کی آیات کے مقابل میں استعمال ہوا ہے۔ اس وجہ سے اس سے مراد وہ گمراہ کن باتیں ہیں جو وقت کے مفسدین لوگوں کو آیاتِ الٰہی سے برگشتہ کرنے کے لیے پھیلاتے تھے۔ قرآن لوگوں کو زندگی کے اصل حقائق کے سامنے کھڑا کرنا چاہتا تھا لیکن مخالفین کی کوشش یہ تھی کہ لوگ انہی مزخرفات میں پھنسے رہیں جن میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہاں اسی صورتِ حال کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اسلوبِ بیان اظہارِ تعجب کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو لوگوں کی ہدایت کے لیے ایک پرحکمت کتاب اتاری ہے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان میں بہتیرے اس کے مقابل میں انہی فضول باتوں کو ترجیح دیتے ہیں جو ان کی خواہشوں اور بدعتوں کے لیے سندِ تصدیق فراہم کرتی ہیں۔

'لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ڰ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا'۔ 'عِلْمٌ' سے مراد دلیل و برہان ہے۔ آگے آیت ٢٠ میں بھی یہ لفظ آ رہا ہے۔ وہاں اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ مفسدین کی یہ تمام سعی نامراد اس لیے ہے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں حالانکہ اللہ کی راہ چھوڑ کر جس راہ پر وہ چل رہے ہیں اور جس پر لوگوں کو بھی چلانا چاہتے ہیں اس کے حق میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود جسارت کا یہ عالم ہے کہ اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے اور اپنی بے سروپا باتوں کی تائید میں آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں۔

'اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ'۔ اوپر اہلِ ایمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہی لوگ ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے بنیں گے؛ اس کے مقابل میں یہ ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا جو قرآن کی آیاتِ حکمت کے مقابل میں اپنی خرافات بدعت و ضلالت کو پھیلانے میں سرگرم تھے۔ فرمایا کہ ان کے لیے ایک نہایت سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔ 'ذلیل کرنے والا عذاب' اس وجہ سے ہوگا کہ حق کے مقابل میں اپنی بات کی پچ استکبار ہے اور استکبار کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت و رسوائی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ عذاب، اور عذاب میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یوں تو ہر عذاب عذاب ہے، اللہ تعالیٰ اس سے امان میں رکھے، لیکن سب سے زیادہ سخت وہ عذاب ہے جو رسوا کر دینے والا ہو۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (٧)

استکبار کی سزا

یہ ان لوگوں کے اس استکبار کی تصویر ہے جس کے سبب سے یہ ذلت کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا کہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ نہایت غرور کے ساتھ اس طرح پیٹھ پھیر

کر چل دیتے ہیں گویا انھوں نے ان کو سرے سے سنا ہی نہیں، گویا ان کے دونوں کان بہرے ہیں۔ یعنی یہ ہماری آیات کو یک قلم ناقابلِ التفات سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر ان کا پندار اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ ہماری باتیں ان کے لیے لائقِ توجہ ہی نہیں رہ گئی ہیں تو پھر ہماری طرف سے ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر معاملہ مجرد غفلت کا ہو تو اس کی اصلاح تذکیر و تنبیہ سے ہو سکتی ہے لیکن جب تذکیر و تنبیہ کے جواب میں رعونت و استکبار کا مظاہرہ ہونے لگے تو یہ مرض لاعلاج ہے۔ اس طرح کے لوگ دوزخ ہی کا ایندھن بننے والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ﴿۸﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۹﴾ (۸-۹)

قرآن کا مذاق اڑانے والوں کو جواب

یہ ان کے مقابل میں ان لوگوں کا صلہ بیان ہوا ہے جو اللہ کی آیات پر ایمان لانے والے اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو بنانے اور سنوارنے والے ہیں۔ فرمایا کہ ان کے لیے نعمت کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ 'وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّا' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے جو پورا ہو کے رہے گا۔ اس جملے میں تاکید در تاکید کا جو مضمون مضمر ہے اس کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ اس تاکید کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ اوپر آیت ۶ میں ذکر ہو چکا ہے کہ متکبرین اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے استہزا کا خاص ہدف وہ آیتیں تھیں جن میں اس دور کے بے بس اور غریب مسلمانوں کو ایک ابدی بادشاہی کی خوش خبری سنائی جاتی تھی۔ معاملے کا یہ پہلو مقتضی ہوا کہ یہ بات یہاں پورے زور اور تاکید سے کہی جائے کہ مذاق اڑانے والے اگر اس کا مذاق اڑاتے ہیں تو اڑائیں لیکن اہلِ ایمان اطمینان رکھیں کہ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کے رہے گا۔

وعدۂ قیامت کی قطعیت پر صفاتِ الٰہی سے استدلال

'وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ' یہ اسی وعدے کے حتمی ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات سے دلیل پیش کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مستکبروں اور ظالموں کو سزا اور ایمان و عمل صالح والوں کو جزا نہ دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نہ وہ عزیز ہے نہ حکیم ہے بلکہ العیاذ باللہ وہ ایک بالکل عاجز و بے بس ہستی ہے جس نے بالکل بے غایت و بے حکمت یہ دنیا بنا ڈالی۔ حالانکہ یہ بات بالبداہت غلط ہے۔ خدا نہ صرف عزیز و حکیم ہے بلکہ حقیقی عزیز و حکیم وہی ہے۔ اس طرز استدلال کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ ہو چکی ہے۔ یہاں اشارے پر اکتفا فرمائیے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَبَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ؕ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۰﴾ (۱۰)

یہ اس کائنات کے ان دلائل و شواہد کی طرف توجہ دلائی ہے جن پر ایک نظر ڈال کر ایک متوسط درجہ کی عقل کا آدمی بھی، یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ اس کائنات کا خالق عزیز یعنی ہر چیز پر غالب و مقتدر

بھی ہے اور اس کے ہر کام میں اس کی قدرت کے ساتھ اس کی بے پایاں حکمت بھی نمایاں ہے۔ فرمایا کہ یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ اس نے آسمانوں کی یہ عظیم چھت ایسے ستونوں کے بغیر ہی کھڑی کر دی جو تمھیں نظر آئیں اور ساتھ ہی زمین میں پہاڑ لنگر انداز کر دیے کہ یہ کہیں تمھارے ساتھ لڑھک نہ جائے۔ پھر اس چھت کے نیچے اور اس زمین کے اوپر بے شمار قسم کے جاندار پھیلا دیے اور ان کی پرورش کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی سے ہر قسم کی فیض بخش چیزیں اگائیں۔

'بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا' میں 'تَرَوْنَهَا' 'عَمَدٍ' کی صفت ہے۔ یعنی یہ عظیم چھت اس کے عظیم خالق نے کھڑی تو کی ہے ستونوں پر لیکن یہ اس کی قدرت، حکمت اور کاریگری کا اعجاز ہے کہ یہ ستون کسی کو نظر نہیں آتے۔ اس نے اس کائنات کے اجزائے مختلفہ کو جذب و کشش کے ایسے قوانین کے ساتھ باندھ رکھا ہے جو صرف اسی کو نظر آتے ہیں۔

'زَوْجٍ كَرِيْمٍ' میں لفظ 'كَرِيْمٍ' کا صحیح لغوی مفہوم فیض بخش ہے۔ یہ خدا کی قدرت کے ساتھ ساتھ اس کی رحمت و ربوبیت کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے یہ عظیم محل اور یہ قصر بے ستون تعمیر کر کے اس کے مکینوں کی پرورش کے لیے اپنی گوناگوں نعمتوں کے انبار بھی لگا دیے۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۱)

خدا کے شریک ٹھہرانے والوں سے ایک سوال

مطلب یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں تو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور تم کو بھی یہ اعتراف ہے کہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی ہیں تو اب بتاؤ کہ تم اس کے سوا دوسری چیزوں کو جو پوجتے ہو تو انھوں نے کیا پیدا کیا ہے اور ان کا کیا کارنامہ ہے کہ تم نے خدا کی خدائی اور اس کے حقوق میں ان کو بھی شریک بنا دیا ہے!!

'بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ' یہ ان سے منہ پھیر کر ان کے حال پر اظہار افسوس فرمایا ہے کہ ان ظالموں کے پاس اس حرکت کے جواز کی کوئی دلیل تو ہے نہیں جسے وہ پیش کر سکیں بلکہ ایک کھلی ہوئی گمراہی ہے جس میں وہ پڑے ہوئے ہیں۔

۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۲-۱۹

آگے لقمان کی حکمت اور ان کی ان حکیمانہ نصیحتوں کا حوالہ ہے جو انھوں نے اپنے سعادتمند فرزند کو فرمائی ہیں اور ان کے حوالہ سے مقصود، جیسا کہ ہم نے پیچھے اشارہ کیا، اہل عرب کے سامنے خود ان کے حکما اور ان کی حکمت کو پیش کر کے یہ دکھانا ہے کہ تمھارے اندر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی حکمت و معرفت میں سے کچھ حصہ ملا انھوں نے بھی اپنے متعلقین کو انہی باتوں کی تعلیم دی جن کی تعلیم تم کو یہ پر حکمت کتاب دے رہی ہے لیکن یہ تمھاری بدبختی و محرومی ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید پر تو بہت نازاں ہو جنھوں نے بے سوچے سمجھے شیطان کی پیروی کی لیکن اپنے ان اسلاف کی حکمت سے تم نے کوئی فائدہ

نہیں اٹھایا جنھوں نے زندگی کے حقائق پر سنجیدگی سے غور کیا اور اپنے قول و عمل سے اپنے بعد والوں کے لیے نہایت پاکیزہ روایات چھوڑیں۔ اس بے خودی کا نتیجہ تمھارے سامنے یہ آیا کہ جن باتوں کی لقمان اپنے فرزند کو نہایت دردمندی کے ساتھ تعلیم دیتے تھے انہی باتوں سے آج تم اپنی اولاد کو روکنے کے لیے نہایت ظالمانہ سزائیں دیتے ہو۔

لقمان کی شخصیت

یہ لقمان کون تھے؟ بعض لوگوں نے ان کو حبشی النسل قرار دیا ہے لیکن یہ بات ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ محمد بن اسحاق نے ان کا نسب سیدنا ابراہیمؑ سے ملایا ہے۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ شعرائے جاہلیت میں سے طرفہ بن عبد اور سلمیٰ بن ربیعہ نے اپنے شعروں میں ان کا اور ان کے قبیلہ کا ذکر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یمن میں ان کو اور ان کی قوم کو بڑی شان و شوکت حاصل تھی اور یہ قوم عاد کے بقایا میں سے تھے۔

بعض لوگوں نے ان کو نبی قرار دیا ہے لیکن مذہب جمہور یہ ہے کہ یہ نبی نہیں بلکہ ایک حکیم تھے۔ عرب کے لٹریچر سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے اور قرآن نے بھی ان کا ذکر ایک حکیم ہی کی حیثیت سے کیا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ بعض شعراء نے اپنے شعروں میں ان کی اس نصیحت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس کا حوالہ قرآن نے دیا ہے لیکن دمِ تحریر میرے پاس حوالہ کی کتابیں نہیں ہیں اس وجہ سے میں اس باب میں کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔

بعض مورخین نے ان کو بادشاہ مانا ہے۔ بادشاہ نہ سہی لیکن ان کو سرداری کا منصب ضرور حاصل تھا۔ شعرائے جاہلیت نے جس انداز سے ان کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یمن میں اپنے قبیلہ پر ایک پدرسرانہ قسم کی سرداری حاصل تھی۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں، ان سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ نصیحتیں اس کو سرداری کی ذمہ داریاں سونپتے وقت کی ہیں۔ آگے اس کی وضاحت آئے گی ۔۔۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۲-۱۹

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا
يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿١٢﴾ وَاِذْ قَالَ
لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ (وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ
اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ

وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي
مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا
مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم
بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ
فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۚ
إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿١٦﴾ يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ
وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ
الْأُمُورِ ﴿١٧﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ
ع ٢ ١١ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾

ترجمہ آیات ۱۲-۱۹

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کے شکر گزار رہو اور جو شکر گزار رہے گا تو اپنے ہی لیے رہے گا۔ اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ ۱۲

اور یاد کرو جب کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے! اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیو۔ بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔ ۱۳

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے معاملے میں ہدایت کی۔ اس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا۔ کہ میرے شکر گزار رہو اور اپنے والدین کے۔ میری ہی طرف بالآخر لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کے باب میں تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کی بات نہ

مانیو اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک رکھیو۔ اور پیروی ان کے طریقہ کی کیجیو جو میری طرف متوجہ ہیں۔ پھر میری ہی طرف تمھارا لوٹنا ہے اور میں جو کچھ تم کرتے رہے ہو اس سے تم کو آگاہ کروں گا۔ ۱۴۔۱۵

اے میرے بیٹے! کوئی عمل اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو خواہ وہ کسی گھاٹی میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں ہو اللہ اس کو حاضر کر دے گا۔ بے شک اللہ نہایت ہی باریک بیں اور باخبر ہے۔ ۱۶

اے میرے بیٹے! نماز کا اہتمام رکھو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور جو مصیبت تمھیں پہنچے اس پر صبر کرو۔ بے شک یہ باتیں عزمیت کے کاموں میں سے ہیں۔ ۱۷

اور لوگوں سے بے رُخی نہ کر اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ بے شک سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے۔ ۱۸۔۱۹

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (۱۲)

حکمت کا اوّلین ثمر

حکمت کا اوّلین ثمر اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری ہے۔ اللہ اپنے جس بندے کو اس دولت سے بہرہ مند کرتا ہے اس کا اوّلین اثر جو اس پر مترتب ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے رب کا شکرگزار بندہ بن جاتا ہے اور یہی شکر تمام حقوق اللہ اور تمام حقوق العباد کی معرفت کی بنیاد ہے۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں ہم اس پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور ذوالقرنین کے واقعات کے سلسلہ میں بھی اس حقیقت کی طرف مفید اشارات گزر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے صاحبِ حکمت اور حکیم ہونے کی اوّلین شناخت یہ ہے کہ اس کے اندر اپنے رب کی شکرگزاری ہو۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو وہ بالکل کھوکھلا ہے اگرچہ وہ علم و فلسفہ کا کتنا ہی بڑا ماہر اور امام کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔

ایک شبہ کا ازالہ

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ یہ برسرِ موقع ایک دفع دخل مقدر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ نہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے اپنی شکر گزاری کا جو مطالبہ کیا ہے یا اس کو جو اس نے پسند فرمایا ہے تو اس میں اس کا کوئی نفع ہے بلکہ اس کو اس نے بندوں ہی کے نفع کے لیے پسند فرمایا ہے۔ جو شخص خدا کا شکر گزار رہتا ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے لیے اللہ کی نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔ رہا اللہ کا معاملہ تو وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ نہ کسی کی شکر گزاری سے اس کو کوئی نفع پہنچتا اور نہ کسی کی ناشکری سے کوئی نقصان۔ ساتھ ہی وہ حمید بھی ہے یعنی تمام اعلیٰ صفات سے متصف اور یہ تمام صفات اس کی ذاتی ہیں۔ نہ ان میں کوئی اضافہ کر سکتا، نہ کمی۔ اس کی اس صفت ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ خواہ کوئی اس کے احسانات کی قدر کرے یا ناقدری لیکن اس دنیا میں اپنے رزق و فضل سے وہ کسی کو بھی محروم نہیں کرتا۔ آگے آیت ۲۶ میں بھی انہی صفات کا حوالہ آ رہا ہے وہاں مزید وضاحت ہو جائے گی۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۱۳)

شکر کی اصل روح

جس طرح حکمت کا اوّلین ثمر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے اسی طرح شکر کی اصل روح شرک سے اجتناب ہے۔ بندے کو تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہیں اس وجہ سے جس طرح اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ وہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی طرف نہ منسوب کرے۔ دوسروں سے اگر بندے کو کوئی نفع پہنچتا ہے تو وہ اللہ ہی کے حکم سے پہنچتا ہے اس وجہ سے شکر کا اصل سزاوار اللہ ہی ہے۔ دوسروں کا حق اللہ تعالیٰ کے حق کے تحت ہے۔ اللہ کا حق سب سے بڑا ہے اگر کوئی شخص خدا کے حق میں دوسروں کو شریک کرتا ہے تو وہ سب سے بڑے حق کو تلف کرنے والا بنتا ہے جو ایک ظلمِ عظیم ہے۔

موقع اور بات دونوں کی اہمیت کی طرف اشارہ

یہاں یہ امر بھی توجہ کے لائق ہے کہ لقمان نے یہ باتیں اس وقت کہی ہیں جب وہ بیٹے کو نصیحت کر رہے تھے۔ اس سے موقع اور بات دونوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی سرسری بات نہیں ہے جو راہ چلتے کہہ دی گئی ہو بلکہ لقمان نے خاص اپنے بیٹے کو، ایک اہم موقع پر، خاص اہتمام کے ساتھ، بطور ایک موعظت کے بتائیں اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تاکید کی۔ اس سے مقصود قرآن کے مخاطبوں کو توجہ دلانا ہے کہ ایک دانش مند باپ اپنے بیٹے کو کیا تعلیم دیتا تھا اور آج اس کے احمق نام لیوا اپنی اولاد کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں!

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (۱۴-۱۵)

دو آیتیں بطور تضمین

یہ دو آیتیں لقمان کی موعظت کے بیچ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور تضمین ہیں۔ لقمان نے بیٹے کو خدا کی شکرگزاری کا حق ادا کرنے کی تاکید تو فرمائی لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حق کے پہلو بہ پہلو اپنے حق کا ذکر انھوں نے ادب کے خلاف تصور فرمایا اس وجہ سے اس کو نظر انداز کر کے قیامت کے ذکر کی طرف بڑھ گئے۔ یہ بات انھوں نے ادباً کی اور ان کی تواضع کے شایانِ شان بات یہی تھی لیکن خدا کے حق کے بعد فطرت کی تربیت میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لقمان کے اس چھوڑے ہوئے خلا کو اپنی طرف سے بھر دیا۔ فرمایا کہ ہم نے انسان کو اس کے والدین کے باب میں ہدایت کی۔ اس ہدایت کا ذکر عنکبوت آیت ۸ میں بھی گزر چکا ہے اور سورۂ بنی اسرائیل میں بھی۔ وہاں ہم نے واضح کیا ہے کہ خدا کے حق کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم تمام انبیائے کرام اور تمام آسمانی صحیفوں نے بالاتفاق دی ہے۔ یہاں اس ہدایت کی تفصیل آگے والے ٹکڑے سے ہو گئی ہے کہ اَنِ اشۡكُرۡ لِيۡ وَلِوَالِدَيۡكَ (کہ میرا شکرگزار رہ اور اپنے ماں باپ کا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی شکرگزاری کے ساتھ انسان کو اس کے والدین کی شکرگزاری کی ہدایت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اوپر خدا کے بعد سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے اس لیے کہ وہی اس کے وجود میں آنے اور پرورش پانے کا ذریعہ بنتے ہیں، والدین سے بڑا کسی کا حق بھی نہیں ہے لیکن یہ حق شکرگزاری اور خدمت کا ہے نہ کہ عبادت کا۔ شکر کا مفہوم اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس کی اصل حقیقت ایفائے حق ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو مجرد زبان سے شکر ایک بالکل بے حقیقت چیز ہے۔

خدا کے خلاف والدین کی اطاعت جائز نہیں ہے

وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِيۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِي الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ۔ یعنی اگر والدین اس بات کے لیے اولاد پر دباؤ ڈالیں کہ وہ کسی چیز کو بے دلیل خدا کا شریک بنائے تو یہ حق ان کو حاصل نہیں ہے، اولاد کا فرض ہے کہ اس معاملے میں ان کی اطاعت سے صاف انکار کر دے۔ شرک کے بے دلیل ہونے پر اس کتاب میں ہم جگہ جگہ بحث کر چکے ہیں۔ یہ اس کی مستقل صفت ہے اس لیے کہ اب تک شرک کی تائید میں اس کے حامی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے، جب کہ خدا کا حال یہ ہے کہ ہر مشرک اس کو لازماً تسلیم کرتا ہے۔ وَصَاحِبۡهُمَا فِي الدُّنۡيَا یعنی اگر والدین شرک اختیار کرنے کے لیے زور لگائیں تو اس معاملے میں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے لیکن جہاں تک دنیا کا معاملہ ہے اس کے اندر ان کے ساتھ حسنِ سلوک دستور کے مطابق باقی رکھا جائے۔ ان کی ضروریات حتی الامکان پوری کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان کی ہدایت کے لیے برابر دعا بھی کی جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت تک اپنے باپ کے لیے دعا جاری رکھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس سے روک نہیں دیا گیا۔ کافر والدین سے بیٹے کے لیے کلی انقطاع صرف اس شکل میں صحیح ہے جب

مسلم معاشرہ جماعتی حیثیت سے ان سے اور ان کی قوم سے برارت کا اعلان کرچکے۔ اس کی وضاحت سورۂ برارت میں ہوچکی ہے۔

ماں کا حق باپ کے حق سے زیادہ ہے

یہاں ایک چیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ جہاں تک شکرگزاری اور خدمت کا تعلق ہے اس کی ہدایت تو باپ اور ماں دونوں کے لیے فرمائی ہے لیکن قربانیاں اور جانفشانیاں صرف ماں کی گنائی ہیں، باپ کی کسی قربانی کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ فرمایا ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (اس کی ماں نے اس کو اٹھایا دکھ کے بعد دکھ جھیل کر اور پھر اس کا دودھ چھڑانا ہوا دو سالوں کے اندر)۔ یہاں حمل، ولادت اور رضاعت تینوں مراحل کی طرف اشارہ ہے (اگرچہ ولادت کا ذکر غایت وضاحت کے سبب سے محذوف ہے) اور ان تینوں ہی کا تعلق ماں سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ کے مقابل میں زیادہ ہے۔ اسی پر وہ حدیث مبنی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کا حق باپ کے مقابل میں تین درجہ زیادہ قرار دیا ہے۔

'اِلَيَّ الْمَصِيْرُ' میں تنبیہ ہے کہ یہ بات ہر شخص کو یاد رکھنی چاہیے کہ بالآخر سب کو میری ہی طرف پلٹنا ہے۔ اگر کسی نے میری شکرگزاری اور والدین کے حق میں کوتاہی کی تو وہ میری بازپرس سے نہیں چھوٹ سکتا۔

'وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'۔ شرک کے معاملے میں والدین کی اطاعت نہ کرنے کی ہدایت کے ساتھ یہ اولاد کو تاکید مزید ہے کہ اسے بہرحال انہی لوگوں کے طریقے کی پیروی کرنی ہے جو خدا کی طرف متوجہ ہیں، ان لوگوں کی راہ نہیں اختیار کرنی چاہیے جو خدا سے منحرف ہیں اگرچہ وہ اس کے والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ سورۂ عنکبوت میں والدین کا قول نقل ہوچکا ہے کہ وہ اپنی اولاد اور اپنے زیردستوں سے کہتے ہیں کہ 'اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ' ۱۲ (تم ہمارے طریقے کی پیروی کرتے رہو، ہم تمہاری غلطیوں کا بوجھ اٹھانے کے ذمہ دار ہیں) یہاں اسی قول پر تعریض کرتے ہوئے فرمایا کہ جو بھی خدا کے خلاف کسی راستہ کی پیروی کی دعوت دے اس کی پیروی جائز نہیں ہے۔ پیروی صرف ان لوگوں کی کرنی ہے جو خدا کی راہ پر ہیں۔

'ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'۔ یہ خطاب والدین اور اولاد دونوں سے یکساں ہے اور اس میں تنبیہ بھی ہے اور اطمینان دہانی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دن سب کی واپسی میری ہی طرف ہونی ہے اور اس دن جو کچھ جس نے کیا ہوگا میں اس کے سامنے رکھ دوں گا۔ اگر کسی کے والدین نے میرے بخشے ہوئے حق سے غلط فائدہ اٹھا کر اولاد کو مجھ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی سزا بھگتیں گے اور اگر اولاد نے والدین کے حق کے ساتھ ساتھ میرے حق کو بھی کماحقہٗ پہچانا اور اس حق پر قائم رہنے میں استقامت دکھائی تو وہ اپنی اس عزیمت کا بھرپور صلہ پائے گی۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ
يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (۱۶)

لقمان کی موعظت قیامت کے باب میں

تضمین کی آیات کے بعد لقمان کی موعظت پھر شروع ہوگئی۔ اوپر لقمان نے بیٹے کو شرک سے اجتناب اور توحید کی تعلیم دی ہے اور یہ بات اپنے محل میں واضح ہو چکی ہے کہ اسی عقیدے پر تمام عقائد کی بنیاد ہے۔ توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ آخرت کا عقیدہ ہے۔ اس آیت میں آخرت سے متعلق ان کی موعظت کا حوالہ ہے۔ فرمایا کہ اے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی نیک یا بد عمل کسی کا ہوگا تو خواہ وہ کسی پہاڑی یا گھاٹی کے اندر ہو یا لامتناہی یا ناپیدا کنار فضاؤں اور آسمانوں میں ہو یا زمین کی تہوں میں ہو، جہاں کہیں بھی ہوگا، خدا قیامت کے دن اس کو حاضر کردے گا، اس لیے کہ اللہ نہایت باریک بین اور نہایت باخبر ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم سے ناآشنائی ہی ہے جس کے سبب سے قوموں کو توحید کے معاملے میں مغالطہ پیش آیا اور وہ شرک میں مبتلا ہوئیں اور یہی چیز آخرت کے باب میں بھی بہت سی گمراہیوں کا سبب ہوئی۔ اس وجہ سے لقمان نے اس حکمت کی یاددہانی کی جو توحید اور قیامت دونوں کے باب میں ان کے فرزند کے ذہن کو بالکل صاف کردے۔

'اِنَّهَا' میں ضمیر قصہ یا ضمیر شان ہے۔ اس صورت میں متکلم، ضمیر اپنے معہودِ ذہنی کو پیش نظر رکھ کر استعمال کرتا ہے۔ یہاں معہودِ ذہنی 'حبۃ خردل' کے برابر عمل ہے اس وجہ سے 'حبۃ' کی رعایت سے ضمیر مؤنث استعمال ہوئی۔

'صَخْرَةٍ' سے پتھر مراد لینا ضروری نہیں ہے اس سے پہاڑی اور گھاٹی بھی مراد لے سکتے ہیں۔ یہ بات عربیت کے بالکل مطابق ہوگی۔ میں نے ترجمہ میں اسی مفہوم کو پیش نظر رکھا ہے۔ ابن جریر نے بھی ایک گروہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۱۷)

شکر کا اثر زندگی پر
نماز کا اہتمام

اللہ تعالیٰ کے شکر کی تعلیم دینے کے بعد اس شکر کا زندگی میں جو اثر نمایاں ہونا چاہیے اس کی ہدایت فرمائی۔ اس سلسلہ میں سب سے اول، نماز کو لیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا سب سے اوّل اور سب سے بڑا مظہر نماز ہی ہے۔ یہی تمام انبیاء اور تمام مذاہب کی متفق علیہ تعلیم ہے۔ فرمایا کہ اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو۔ دوسرے مقام میں ہم واضح کرچکے ہیں کہ 'نماز قائم کرو' کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کا اہتمام کرو۔ یعنی خود بھی نماز کی پابندی کرو اور دوسروں کے لیے بھی اس کا انتظام کرو اور ان کو اس کے لیے ابھارو۔

امر بالمعروف

'وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ' یہ خدا کی شکر گزاری ہی کا دوسرا پہلو ہے جو بندے کو خلق سے مربوط کرتا ہے۔ نماز بندے کو اس کے رب سے جوڑتی ہے اور امر بالمعروف کے ذریعے سے وہ اللہ کے بندوں سے جڑتا ہے۔

معروف میں وہ تمام کام شامل ہیں جو ادائے حقوق سے متعلق ہیں۔ مثلاً اللہ کی راہ میں انفاق، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں اور دوسرے مستحقین کی مدد اور اس نوع کے دوسرے کام جو ہر اچھی سوسائٹی میں معلوم و معروف ہیں اور جن کا یہ اہتمام ہر وہ شخص کرتا ہے اور اس کو کرنا چاہیے جو اپنے رب کا شکر گزار بندہ ہے۔

نہی عن المنکر — 'وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ' یہ ان چیزوں سے باز رکھنے کی ہدایت ہے جو معروف کی ضد ہیں۔ بخالت، غصب حقوق، تعدّی، عہد شکنی، فخر و غرور اور اس قبیل کی ساری چیزیں اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔

صبر — 'وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ' یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی یہ راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے۔ جب اس فرض کو ادا کرنے کے لیے اٹھوگے تو ہر قدم پر تمہیں راہ مشکلات و مصائب سے رندھی ہوئی نظر آئے گی، اگر تم میں صبر نہیں ہوگا تو ایک قدم بھی تم آگے نہیں بڑھا سکو گے۔ اگر اس راہ کی بازیاں جیتنی ہیں تو ضروری ہے کہ جو کچھ پیش آئے اس کا پوری عزیمت سے مقابلہ کرو۔

'اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ' یہ اسی مضمون کی مزید تاکید اور وضاحت ہے کہ یہ کام نیم دلی کے ساتھ اور ڈھیلے ڈھالے ہاتھوں سے نہیں انجام پاتے۔ ان سے وہی لوگ عہدہ برآ ہوتے اور ہو سکتے ہیں جو پوری عزیمت کے ساتھ ان کے انجام دینے کے لیے اٹھتے اور سر دھڑ کی بازی لگا کر ان کو انجام دیتے ہیں۔ سورۂ عصر میں حق کے ساتھ صبر کا جو ذکر آیا ہے وہ بھی اسی تعلق سے آیا ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (۱۸)

'تصعیر خد' کے معنی ہیں بربنائے غرور و تکبر لوگوں سے بے رخی و بے پروائی اختیار کرنا۔

'لِلنَّاس' سے مراد عوام الناس خصوصاً غربا و فقرا ہیں جن کو امرا و اغنیا حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

شکر کے منافی باتیں — اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے موجبات بیان ہوئے ہیں۔ اب یہ ان باتوں کا ذکر آ رہا ہے جو اس شکر گزاری کے منافی ہیں۔ شکر کا مظہر، جیسا کہ اس کے محل میں وضاحت ہو چکی ہے، اخبات و تواضع ہے اور اس کا ضد غرور و تکبر ہے۔ جو لوگ سفلہ اور کم ظرف ہوتے ہیں وہ نعمت پا کر اکڑنے اور اترانے والے بن جاتے ہیں اور ان لوگوں کو نہایت حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو ان کے ہم سر نہیں ہوتے۔ لقمان نے اس روش کے اختیار کرنے سے اپنے فرزند کو روکا۔

'وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا' یہ آیت بعینہ سورۂ بنی اسرائیل میں بھی گزر چکی ہے۔ وہاں اس کے ساتھ یہ تنبیہ بھی ہے کہ 'لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا' ۳۷، یعنی کوئی کتنا ہی اکڑ کے اور سر اونچا کر کے چلے لیکن اسے یہ بات بھولنی نہیں چاہیے کہ نہ وہ زمین کو پھاڑ سکتا اور نہ وہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا تو جس خدا کی قدرت و عظمت کے یہ آثار ہر شخص دیکھ رہا ہے اس کی خدائی میں اکڑنے اور اترانے کے کیا معنی! آدمی کا غرور اس کے چہرے اور اس کی گردن سے بھی نمایاں ہوتا ہے اور اس کی چال

سے بھی، لقمان نے ان دونوں ہی چیزوں میں غرور کی روش اختیار کرنے سے اپنے بیٹے کو روکا۔

'اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ' یہ تنبیہ ہے اور بڑی ہی سخت تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی اکڑنے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ جن کو مال و جاہ حاصل ہو اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے انعام کے بجائے اپنی قابلیت و استحقاق کا کرشمہ سمجھ بیٹھیں ان کے اندر شکر کے بجائے لازماً فخر و غرور کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لقمان نے اسی خطرے سے اپنے بیٹے کو آگاہ فرمایا ہے کہ نعمت کو اللہ کا انعام اور اس کا امتحان سمجھنا، اس کے سبب سے مغرور ہو کر اپنے کو خدا کے غضب کا مستحق نہ بنا لینا۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ ط اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (۱۹)

تواضع اور فروتنی کی تعلیم

اوپر کی باتیں نہی کے اسلوب میں ہیں۔ اب یہ اسی تواضع و فروتنی کی تعلیم مثبت انداز میں دی ہے کہ اپنی چال میں اکڑ کے بجائے فروتنی و تواضع اور اپنی آواز میں کرختگی اور خشونت کی جگہ نرمی اور لینت پیدا کرو۔ 'مِنْ' اس بات پر دلیل ہے کہ جب خالق نے انسان کو ایک ہی قسم کی آواز پر نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اس کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے کہ اس کو وہ پست بھی کر سکتا ہے اور بلند بھی تو موقع و محل کے مطابق وہ اس صلاحیت کو استعمال کرے، گدھے کی طرح ہمیشہ اپنا حلق اور لوگوں کے کان پھاڑنے ہی کی کوشش نہ کرے۔ 'اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ' کا ٹکڑا یہاں کرخت اور سخت لب و لہجہ سے نفرت دلانے کے لیے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو حسنِ بیان اور حسنِ کلام کی نعمت سے نوازا ہے تو وہ اس مقام کو چھوڑ کر گدھوں کی صف میں شامل ہونے کی کوشش کیوں کرے! یہ بلبل کی بدقسمتی ہے کہ وہ زاغ و زغن کی ہمنوائی کرے!!

لقمان کی نصیحتیں بڑوں کے لیے خاص اہمیت رکھتی ہیں

لقمان کی یہ نصیحتیں اگرچہ ہر شخص کے لیے اپنے اندر یکساں خیر و برکت رکھتی ہیں لیکن ان لوگوں کے لیے یہ خاص اہمیت رکھنے والی ہیں جن کو قیادت و سربراہی اور امارت و حکومت کا مقام حاصل ہو۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، لقمان صرف ایک حکیم نہیں بلکہ ایک حکمران حکیم تھے۔ ان کو اپنی قوم کی سربراہی حاصل تھی اور یہ نصیحتیں اپنے بیٹے کو انھوں نے سرداری و قیادت کی ذمہ داریاں سمجھانے کے لیے کی ہیں۔ یہ اگرچہ نبی نہیں تھے لیکن ان کو حضرت داؤدؑ سے فی الجملہ مشابہت ہے۔

۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۰۔۳۴

لقمان کی نصیحت میں سرفہرست اللہ واحد کی شکر گزاری کی تلقین ہے۔ اب آگے یہ بتایا جا رہا ہے کہ کیوں اللہ ہی شکر کا سزاوار ہے۔ آفاق و انفس میں اس کے دلائل کیا ہیں؟ ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقامت کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ اپنے مخالفین کے معاملے کو اب ہمارے اوپر چھوڑ دو، ہم ہی ان کا فیصلہ کریں گے۔ یہ لوگ نشانیوں کا جو مطالبہ کر رہے ہیں اس کی پروا نہ کرو۔ اللہ کی اتنی نشانیاں موجود

ہیں کہ اگر زمین کے سارے درخت قلم اور سمندر ، مزید سات سمندروں کے اضافہ کے ساتھ ، روشنائی بن جائیں جب بھی اس کی نشانیوں کو قلم بند نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ عہد شکن اور غدار لوگ ہیں ۔ جب یہ کسی پکڑ میں آتے ہیں تو اللہ کی اطاعت و وفاداری کا عہد کرتے ہیں لیکن جب ذرا ڈھیل ملتی ہے تو وہی سرکشی ان پر پھر عود کر آتی ہے اور اپنے قول و قرار کو بالکل بھول جاتے ہیں ۔ اس قسم کے عہد شکن ناشکروں پر کوئی نشانی کارگر نہیں ہو سکتی ۔ آخر میں آخرت کی یاد دہانی ہے کہ لوگو! اس دن سے ڈرو جس دن نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے بلکہ ہر ایک کو اپنی جواب دہی خود کرنی ہے ۔ اگر آج یہ نہیں معلوم ہے کہ قیامت کا ظہور کب ہوگا تو اس سے کسی کو یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا ڈراوا محض ڈراوا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ کتنے حقائق ہیں جن کے ظہور کا وقت کسی کو معلوم نہیں لیکن کوئی عاقل بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا ——— اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے ۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ آیات ۲۰-۳۴
وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰ وَإِذَا
قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا
عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ إِلٰى عَذَابِ
السَّعِيْرِ ۝۲۱ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ۝۲۲ وَ
مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا
عَمِلُوْا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۳ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ
نَضْطَرُّهُمْ إِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۲۴ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ

الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَ
الْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ
إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ
وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ
أَجَلٍ مُسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ
هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيرُ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ ع ٣ ١١ ١٢
لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾ وَ
إِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا
إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿٣٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا
لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا
إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿٣٣﴾ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا
وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٤﴾ ع ٤ ١٣

تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو تمہاری خدمت ترجمۂ آیات
٢٠-٣٤

میں لگا رکھا ہے اور تمھارے اوپر ہر قسم کی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کی ہیں! پھر بھی لوگوں میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر کسی دلیل، بغیر کسی ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں! اور جب ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے تو جواب دیتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کریں گے' بلکہ اسی طریقہ کی پیروی کرتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ کیا اس صورت میں بھی جب کہ شیطان ان کو عذابِ دوزخ کی طرف بُلا رہا ہو! ۲۰-۲۱

اور جو اپنا رخ فرمانبردارانہ اللہ کی طرف کرے گا اور وہ خوب کار بھی ہے تو اس نے بے شک مضبوط رسّی تھامی۔ اور انجام کار تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور جس نے کفر کیا اس کا کفر تمھارے لیے باعثِ غم نہ ہو۔ ہماری ہی طرف ان سب کی واپسی ہے تو جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا ہم اس سے ان کو آگاہ کریں گے۔ اللہ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ ہم ان کو کچھ دن برومند کریں گے پھر ان کو ایک سخت عذاب کی طرف دھکیلیں گے۔ ۲۲-۲۴

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو جواب دیں گے اللہ نے! کہو، شکر کا سزاوار بھی اللہ ہے۔ بلکہ ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے۔ بے شک اللہ ہی بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ ۲۵-۲۶

اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر، سات مزید سمندروں کے ساتھ، روشنائی بن جائیں جب بھی اللہ کی نشانیاں قلم بند نہیں ہو سکتیں۔ بے شک اللہ غالب و حکیم ہے۔ ۲۷

اور تم کو پیدا کر دینا اور تم کو زندہ کر دینا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا پیدا کر دینا اور زندہ کر دینا، بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی ہے جو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک گردش کرتا ہے ایک مقررہ وقت تک اور یہ کہ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے اور جن چیزوں کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہیں۔ اور بے شک برتر اور عظیم اللہ ہی ہے۔ ۲۸-۳۰

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ وہ تم کو اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے اور جب موجیں سائبانوں کی طرح ان کو ڈھانک لیتی ہیں وہ اللہ کو پکارتے ہیں خالص اسی کی اطاعت کا عہد کرتے ہوئے، پس جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف کر دیتا ہے تو ان میں کچھ راہ پر رہتے ہیں اور باقی بے راہ ہو جاتے ہیں اور ہماری آیات کا انکار بس وہی لوگ کرتے ہیں جو بالکل بدعہد اور ناشکرے ہوتے ہیں۔ ۳۱-۳۲

اے لوگو، اپنے رب کی پکڑ سے بچو اور اس دن سے ڈرو جس دن نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کام آئے گا اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ کے کچھ کام آنے والی بن سکے گی۔ بیشک اللہ کا وعدہ شدنی ہے تو دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈالنے پاوے اور نہ اللہ کے باب میں فریب کار تمھیں دھوکے میں رکھے! قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش اتارتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہوتا ہے، اور کسی کو بھی پتہ نہیں کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا، اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ

علیم و خبیر ہے۔ ۳۲-۳۴

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ (۲۰)

خدا ہی کی شکرگزاری کے دلائل

اس سورہ کی تمہید آیت ۱۱ پر ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی 'هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ بَلِ الظّٰلِمُونَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ' (یہ ساری چیزیں تو اللہ کی مخلوق ہیں تو تم مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں جن کو تم اس کے سوا معبود بنائے بیٹھے ہو! بلکہ یہ ظالم نہایت کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں!) اس کے بعد اسی حقیقت کی تائید میں لقمان کی حکمت کا حوالہ آگیا تھا کہ انھوں نے بھی اپنے فرزند کو خدا ہی کا شکرگزار رہنے کی تلقین کی تھی۔ اب اسی مضمون کو آفاق کے دلائل کی روشنی میں مزید واضح فرمایا اور انداز کلام اظہار تعجب اور زجر کا ہے کہ خدا کے بندو، تم نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین کی جتنی چیزیں بھی تمہارے کام آرہی ہیں ان سب کو تمہاری مقصد برآری میں خدا نے لگایا ہے۔ ان میں سے کسی چیز کے متعلق بھی تم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ خدا کے سوا کسی اور نے ان کو پیدا کیا ہے تو آخر کس دلیل سے تم نے دوسروں کو شریک بنایا اور ان کی عبادت کر رہے ہو!

تمام ظاہری و باطنی نعمتیں اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں

'وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً' 'اسباغ' کے اصل معنی وسیع اور کشادہ کرنے کے ہیں پھر یہیں سے یہ اتمام و تکمیل کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا۔ 'وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ' یعنی اس نے ہر پہلو سے اپنی نعمتیں تم پر تمام کردی ہیں۔ یہ نعمتیں ظاہری و مادی بھی ہیں اور عقلی و روحانی بھی، شکل و صورت، قد و قامت، ہاتھ پاؤں، غذا، لباس اور اس قبیل کی دوسری تمام چیزیں بھی اسی کی بخشی ہوئی ہیں اور سمع و بصر، عقل و ادراک اور بصیرت و ہدایت کی نعمتیں بھی اسی کی عطا کردہ ہیں، ان میں سے کسی چیز کے متعلق کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ خدا کے سوا کسی اور سے اس کو ملی ہیں یا کوئی دوسرا ان کے ملنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ تو جب تمام نعمتوں کو بخشنے والا اللہ ہی ہے تو بندے کی تمام شکرگزاری و نیازمندی کا حق دار بھی وہی ہوا پھر بلا کسی دلیل کے کوئی دوسرا اس کے اس حق میں کس طرح ساجھی بن سکتا ہے!

مشرکین کا بے دلیل مجادلہ

'وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ' یعنی جہاں تک خدا اور اس کی شکرگزاری کے حق کا تعلق ہے وہ تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس سے کسی کے لیے مجال انکار نہیں ہے لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ لوگوں میں ایسے شامت زدہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی توحید کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے، نہ کوئی رہنمائی ہے اور نہ کسی روشن کتاب کی سند ہے۔ 'يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ'

میں مضاف محذوف ہے یعنی 'فِیْ تَوْحِیْدِ اللّٰہِ' مشرکین عرب خدا کے منکر نہیں تھے، ان کا سارا جھگڑا توحید کے باب میں تھا۔ 'بِغَیْرِ عِلْمٍ' میں علم سے مراد کوئی دلیل ہے خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی۔ ۔ پر آیت ۶ میں بھی یہ لفظ گزر چکا ہے۔ یہ لفظ جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں 'ظن' کے مقابل میں بھی آتا ہے' اس وجہ سے اس سے ہر وہ چیز مراد ہو سکتی ہے جو یقین و اعتماد پیدا کرنے والی ہو۔ لفظ 'هُدًى' یہاں 'کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ' کے ساتھ آیا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ خاص سے پہلے عام کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت خلق کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی تعلیم کے ذریعہ سے بھی پہنچی ہے اور روشن صحیفوں کے ذریعہ سے بھی مثلاً تورات، زبور، انجیل، و، قرآن مجید کے ذریعے سے۔ میرا خیال ہے کہ 'هُدًى' سے یہاں پہلی قسم کی دلیل مراد ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ دلیل کی یہ نفی اصل حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ مشرکین اپنے موقف کی تائید میں جو کچھ کہتے تھے اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اس کی نوعیت مجرد تقلید کی ہے اور مجرد تقلید کوئی دلیل نہیں ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِیْرِ (۲۱)

یہ ان کے مجادلہ بلا علم کی تفصیل ہے کہ جب ان کو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہم نے باپ دادا سے جو طریقہ پایا ہے ہم اسی پر چلتے رہیں گے' اس سے ہٹ کر کوئی نئی راہ اختیار کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔ فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ کیا اس شکل میں بھی یہ اسی روش پر جامد رہیں گے جب کہ شیطان ان کو تقلید آباد کے اس تعصب میں مبتلا کر کے ان کو جہنم کی طرف بلا رہا ہو! مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی صحت و صداقت کی مجرد یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ وہ آباد و اجداد سے چلی آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس طرح بے سوچے سمجھے تم باپ دادا کے طریقہ کو دین بنائے بیٹھے ہو اسی طرح تمھارے باپ دادا نے بھی بے سوچے سمجھے اگلوں سے جو پایا ہو اس کو دین بنا لیا ہو اس وجہ سے دانش مندی اور حق پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی جس کتاب کی تم کو دعوت دی جا رہی ہے اس کو سنو، اس پر غور کرو اور اس کے دلائل کی روشنی میں اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ اس اندھے بہرے تعصب میں مبتلا ہو کر شیطان کی پیروی میں جہنم میں جا گرو۔ یہاں یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ قومی دین، قومی تہذیب اور قومی روایات کے نعروں میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ جو لوگ یہ نعرے بلند کرتے ہیں وہ قومی تہذیب و روایات کے محافظ سمجھے جاتے ہیں اور عوام ان کے نعروں سے اس طرح مسحور ہو جاتے ہیں کہ اس کے خلاف وہ کوئی بات بھی سننے کے روادار نہیں ہوتے، خواہ وہ کتنی ہی بڑی حقیقت ہو۔ میرے نزدیک 'یَدْعُوْهُمْ' میں ضمیر مفعول کا مرجع 'اٰبَآءَ' نہیں بلکہ خود اس قول کے قائلین ہیں۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲)

اسلام کی اصل روح احسان ہے

'اَسْلَمَ' کا صلہ 'لِ' کے ساتھ بھی قرآن میں آیا ہے اور 'اِلیٰ' کے ساتھ بھی۔ دونوں کے مواقع استعمال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں تو یہ کامل تفویض و سپردگی کے مفہوم میں آیا ہے جو اسلام کی اصل حقیقت ہے۔ دوسری صورت میں جیسا کہ یہاں ہے یہ نیازمندانہ متوجہ ہونے کے مفہوم میں آیا ہے۔ یہ متوجہ ہونا حقیقی بھی ہو سکتا ہے اور غیر حقیقی بھی اس وجہ سے اس کے ساتھ 'محسن' کی قید لگی ہوتی ہے۔ 'احسان' کے معنی، جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، کسی کام کو کمال درجہ خوبی و اخلاص کے ساتھ کرنے کے آتے ہیں۔ اس قید کے لگ جانے سے لفظ 'اسلام' کا مفہوم یہاں متعین ہو گیا کہ آدمی خدا کی طرف متوجہ ہو اور کمال درجہ خوبی و یکسوئی اور پوری وفاداری و جاں نثاری کے ساتھ متوجہ ہو۔ مشرکین و منافقین کی طرح نہیں کہ نام تو خدا کا لیتے ہیں لیکن اس کی خدائی اور اس کے حقوق میں دوسروں کو بھی شریک کیے بیٹھے ہیں اور ان کے نزدیک اصلی اہمیت خدا اور اس کے احکام کی نہیں بلکہ اس کے شریکوں اور ان سے متعلق رسوم و اوہام کی ہے۔

خدا کے ساتھ تعلق کا اصلی ذریعہ

یہ آیت تقلیدِ آباء کے علم برداروں اور شرک کی حمایت میں لڑنے والوں کے جواب میں ارشاد ہوئی ہے کہ نہ باپ دادا کے طریقہ کی اندھی تقلید کوئی کام آنے والی چیز ہے اور نہ دیویوں دیوتاؤں کا سہارا کچھ کام آنے والا بنے گا۔ البتہ جو لوگ پورے اخلاص اور حسنِ عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں انھوں نے اپنے رب کے ساتھ وابستہ کرنے والی ایک مضبوط رسی تھام لی ہے جو ان کے لیے خدا کے ساتھ تعلق و توسل کا ایک محکم ذریعہ ہوگی اور یہ کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے۔

ایک تنبیہ

'وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ'۔ یہ تنبیہ ہے اور بڑی ہی سخت تنبیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس رسی کے سوا دوسری رسیاں جو لوگوں نے تھام رکھی ہیں، وہ بھی ان کے لیے کچھ کام آنے والی بن سکیں گی۔ ان جھوٹے سہاروں میں سے کوئی بھی کام آنے والا نہیں ہے اس لیے کہ تمام امور بالآخر اللہ ہی کے آگے پیش ہوں گے، کوئی دوسرا مولیٰ و مرجع بننے والا نہیں ہے کہ اس کا سہارا کچھ کام آسکے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۲۳)

نبی صلعم کو تسلی

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور ساتھ ہی اوپر والی آیت میں مخالفین کے لیے جو دھمکی ہے وہ مزید مؤکد کی گئی ہے۔ فرمایا کہ آج جو لوگ تمھاری دعوت کی مخالفت کر رہے ہیں ان کی مخالفت تمھارے لیے ذرا بھی باعثِ غم نہ ہو۔ بالآخر ان سب کی پیشی ہمارے ہی سامنے ہونی ہے۔

اس دن ہم ان کے آگے ان کا سارا کچا چٹھا رکھ دیں گے۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ یعنی کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ ساری دنیا کے اعمال و اقوال سے واقف ہونا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم کا حال یہ ہے کہ لوگوں کے سینوں میں جو راز چھپے ہوئے ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (۲۴)

سب خدا کی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں

'اِضْطِرَار' کے بعد 'اِلٰی' کا صلہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ لفظ مجبور کر کے کشاں کشاں لے جانے کے مفہوم پر متضمن ہے۔ اس تضمین کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی اس مغالطہ میں نہ رہے کہ آخرت کا معاملہ بہت دور کا معاملہ ہے۔ اس دنیا کی مہلت ایک بالکل محدود مہلت ہے۔ فرمایا کہ ہم نے ان کو جو مہلت دی ہے یہ چند روزہ ہے۔ یہاں ہم کچھ دن ان کو اپنی نعمتوں سے بہرہ مند کریں گے پھر ہم ان کو کشاں کشاں ایک شدید عذاب کی طرف گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ انسان اس دنیا میں قدرت کے ایسے نوامیس و قوانین میں جکڑا ہوا ہے جن سے کسی کے لیے کسی حال میں بھی مفر نہیں ہے۔ شاہ و گدا سب ان کے آگے یکساں بے بس ہیں اور ہر ایک کو بہرحال وہیں جانا ہے جہاں ان قوانین کی زنجیر ان کو گھسیٹ کر لے جائے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۲۵)

مخالفین پر خود ان کے مسلمات سے اتمام حجت

یہ خدا کی شکرگزاری کی وہ دلیل بیان ہوئی ہے جس کے بنیادی مقدمہ کا اعتراف خود مخالفوں کو بھی ہے۔ فرمایا کہ اگر ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کس نے کیا ہے تو اس کا جواب وہ یہی دیں گے کہ اللہ نے۔ ان سے کہو کہ جب تم تمام چیزوں کا خالق خدا ہی کو مانتے ہو تو پھر تو شکر کا حق دار بھی وہی ہوا، آخر یہ بات کس قاعدے سے جائز ہو سکتی ہے کہ خالق تو تنہا وہ ہو لیکن شکر کے سزاوار دوسرے بھی بن جائیں جن کا نہ اس کائنات کے خلق میں کوئی حصہ اور نہ اس کی تدبیر میں!

'بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ' یعنی یہ بات نہیں ہے کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی بنیاد کسی دلیل پر ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کو خود اپنے تسلیم کردہ مقدمات کے بدیہی نتائج و لوازم کا بھی علم نہیں ہے۔ اس جہل کا نتیجہ یہ ہے کہ خود اپنے مانے ہوئے مسلمات کو خود اپنے ہی دوسرے اعمال و عقائد سے جھٹلا دیتے ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (۲۶)

اصل حقیقت کا اظہار

یہ اصل حقیقت کا اظہار ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اسی کی مخلوق و مملوک اور سب اسی کے دروازے کے سائل و محتاج ہیں۔ بے نیاز اور ستودہ صفات صرف اسی کی ذات ہے۔ اس وجہ سے شکر کا سزاوار حقیقی تنہا وہی ہے، اس کے سوا کسی کا بھی یہ درجہ و مرتبہ نہیں ہے کہ اس کے اس حق میں وہ

شریک قرار دیا جا سکے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ
كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۲۷)

سورۂ کہف میں یہی مضمون بدیں الفاظ گزرا ہے:

نشانیوں کی تعبیر کلمات سے

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا	ان سے کہہ دو کہ اگر میرے رب کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے
لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ	لیے سمندر بھی روشنائی بن جاتے تو میرے رب کی نشانیوں کے
قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ	قلم بند ہونے سے پہلے سمندر خشک ہو جائے گا اگرچہ اسی کے
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (۱۰۹)	برابر ہم اور روشنائی فراہم کر لیں۔

'کَلِمٰت' سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نشانیاں ہیں جو اس کی ذات و صفات اور اس کی قدرت و حکمت پر گواہی دیتی ہیں۔ چونکہ ہر نشانی اللہ کے 'کُنْ' کا مظہر ہے اور ہر نشانی اپنی زبانِ حال سے ناطق بھی ہے اس وجہ سے یہاں نشانیوں کو کلمات سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ تعبیر نہایت ہی معنی خیز تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کوئی ایسی مبہم و مجہول چیز نہیں ہے کہ اس کے باب میں لوگوں کو ایسا التباس پیش آئے کہ لوگ جس اینٹ پتھر کو چاہیں خدا سمجھ کر اس کو ڈنڈوت شروع کر دیں۔ اس کائنات میں خدا کی اتنی نشانیاں ہیں کہ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر، مزید سات سمندروں کے اضافے کے ساتھ، روشنائی بن جائیں جب بھی ان کا قلم بند کیا جانا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ تمام نشانیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ اس کا خالق عزیز و حکیم ہے۔ ان دونوں صفتوں کی وضاحت جگہ جگہ ہو چکی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات میں سے ہیں اور قرآن میں ان سے جگہ جگہ توحید، قیامت اور رسالت تینوں پر استدلال کیا گیا ہے اور یہی مسائل قرآن کے اصول مسائل ہیں۔ گویا اس کائنات کی ہر چیز اس کے خالق کے عزیز و حکیم ہونے کی گواہی دے رہی ہے اور انہی کے مقتضیات ہیں جن کو تسلیم کرنے کی قرآن دعوت دے رہا ہے۔

ہر چیز شاہد ہے کہ خدا عزیز و حکیم ہے

اس آیت میں 'اقلام' کا مقابل لفظ 'مداد' حذف ہے۔ اس حذف کو کھول دیجیے تو پوری عبارت یوں ہو گی۔ 'مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ مِدَادٌ' حذف کے اس اسلوب کی مثالیں ہم جگہ جگہ پیش کرتے آ رہے ہیں۔

سورۂ کہف کی مذکورہ بالا آیت کے تحت ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ کوئی مبالغہ کا اسلوب نہیں ہے بلکہ یہ بیانِ حقیقت ہے۔ وہاں ہم نے لکھا ہے کہ اگر سمندر روشنائی بن جائے تو یہ روشنائی خود سمندر ہی کے عجائب کو قلم بند کرنے کے لیے کافی نہیں ہو گی چہ جائیکہ اس پوری کائنات کے عجائب۔ یہ زمین جو ہمارے قدموں کے نیچے ہے خدا کی لا انتہا کائنات کا ایک نہایت ہی حقیر حصہ ہے لیکن سائنس کی تمام ترقیوں کے باوجود اب تک انسان اس کے جو عجائب دریافت کر سکا ہے اس کی حیثیت سمندر کے ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ (۲۸)

خدا کے عزیز و حکیم ہونے کا لازمی تقاضا

یہ اوپر کے تمام مقدمات کا نتیجہ اور خلاصہ سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ جب اس کائنات کی ہر چیز شاہد ہے کہ اس کا خالق عزیز بھی ہے اور حکیم بھی تو اس امر میں کسی شک کی گنجائش کہاں باقی رہی کہ ایک دن اللہ تعالیٰ سب کو از سر نو پیدا کر کے قبروں سے اٹھائے گا۔ وہ عزیز ہے اس وجہ سے اس کے لیے یہ کام ذرا بھی مشکل نہیں ہے اور حکیم ہے اس وجہ سے یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو وہ عزیز نہیں رہتا اور اگر کر سکنے کے باوجود نہ کرے تو یہ اس کی حکمت کے منافی ہے اس لیے کہ قیامت کے بغیر یہ دنیا ایک بازیچۂ اطفال بن کے رہ جاتی ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ ہو چکی ہے۔

'اِلَّا کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ' میں مضاف محذوف ہے یعنی کَخَلْقِ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ یا کَبَعْثِ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ' یعنی کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اتنی ساری مخلوق کو از سر نو پیدا کرنا اور ان کو اکٹھا کرنا کس کے امکان میں ہے۔ فرمایا کہ اللہ کے لیے ایک نفس کو پیدا کر دینا اور تمام جہان کو پیدا کر دینا اور اس کو اٹھا کھڑا کرنا یکساں ہے۔ اس کے ایک ہی کلمۂ 'کُن' یا ایک ہی نفخ صُور سے ساری دنیا از سر نو زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہو گی۔ وہ ہر چیز پر قادر اور عزیز ہے۔

'اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ' یہ قیامت کے اصل مقصد، حساب کتاب، کی یاد دہانی ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہ ہو کہ اتنی وسیع خلقت کے احوال و معاملات کا علم کسے ہے کہ وہ ان کا حساب کرنے بیٹھے گا۔ فرمایا کہ اللہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہے، کوئی چیز اس کے علم و مشاہدہ سے باہر نہیں ہے اس وجہ سے اس کو لوگوں کا حساب کرنے اور ان کو جزا یا سزا دینے میں کوئی زحمت نہیں پیش آئے گی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲۹)

آفاق کی بعض نشانیوں کی طرف اشارہ

اوپر آیت ۲۰ میں 'اَلَمْ تَرَوْا' جمع کے صیغہ سے اپنی آیات کی طرف توجہ دلائی تھی یہاں 'اَلَمْ تَرَ' واحد کے صیغہ سے توجہ دلائی ہے۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ 'اَلَمْ تَرَ' کا خطاب جمع کے لیے بھی آتا ہے۔ اس صورت میں گویا مخاطب گروہ کے ایک ایک شخص کو فرداً فرداً توجہ دلائی جاتی ہے اور اس میں جمع کے مقابل میں زیادہ زور ہوتا ہے۔

فرمایا کہ یہ خدا ہی کی قدرت و حکمت ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ 'رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنا' تعبیر ہے یکے بعد دیگرے، پوری سرگرمی کے ساتھ، ایک دوسرے کے تعاقب اور پوری پابندیٔ اوقات کے ساتھ، ان کی آمد و شد کی۔

'وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی' اور یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو اپنی خلق کی خدمت گزاری کے لیے مسخر کر رکھا ہے اور یہ دونوں پوری پابندیٔ اوقات کے ساتھ

اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔ مجال نہیں ہے کہ مدار سے سرمو انحراف ہو یا نظام اوقات کی پابندی میں منٹ یا سیکنڈ کا بھی فرق واقع ہونے پائے۔

ان نشانیوں کی طرف توجہ دلانے سے مقصود انہی حقائق کو مبرہن کرنا ہے جو اوپر زیر بحث آئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس خدا کی قدرت کی یہ نشانیاں دیکھتے ہو اس کی نسبت تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا، جو رات اور دن اور سورج اور چاند کو اس طرح گردش دے رہا ہے کیا اس کی مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کا شریک ہونے کا درجہ رکھتی ہے! اور کیا جس نے اپنی ربوبیت کی یہ شانیں دکھائی ہیں اس کی نسبت اس سوئے ظن کی کوئی گنجائش ہے کہ اس نے یہ سارا کارخانہ بالکل عبث بنایا ہے، اس کے پیچھے کوئی روزِ جزا نہیں ہے۔

'وَاَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ' یعنی اگر تم اس نظام ربوبیت و قدرت پر غور کرو تو اس امر میں ذرا شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہے گی کہ جو اس سارے نظام کو چلا رہا ہے وہ تم سے اور تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ بے خبر ہو تو وہ تمہاری پرورش کس طرح کرے گا؟ اور اگر باخبر ہے تو آخر وہ تم سے پرسش کیوں نہیں کرے گا کہ تم نے اس کی پروردگاری کا حق ادا کیا یا نہیں!

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ لا وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (۳۰)

نظام کائنات کی باقاعدگی خدا کی توحید کی دلیل ہے

یعنی اس نظام کائنات کے اندر یہ باقاعدگی، یہ پابندی اور یہ افادیت و ربوبیت جو پائی جاتی ہے یہ اس وجہ سے پائی جاتی ہے کہ معبودِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس تمام کائنات کی باگ تنہا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس کے سوا کچھ دوسرے اللہ بھی اس کے خلق و تدبیر میں دخیل ہوتے تو یہ سارا نظام جیسا کہ فرمایا ہے 'لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا' درہم برہم ہو جاتا۔ اس وجہ سے وہ سارے معبود بالکل بے حقیقت اور باطل ہیں جن کی یہ لوگ پرستش کر رہے ہیں۔ 'وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ' یعنی یہ نظام کائنات جس طرح خدا کی یکتائی پر شاہد ہے اسی طرح اس بات پر بھی شاہد ہے کہ خدا کی ذات بڑی ہی برتر اور بڑی ہی عظیم ہے۔ اس کی قدرت و حکمت کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ وہ رات کے بعد دن کو نمودار کر دیتا ہے اور دن پر رات کو ڈھانک دیتا ہے اور سورج اور چاند سب کی نکیل اس کے ہاتھ میں ہے۔ جو ذات اتنی عظیم و بلند ہے وہ اس سے ارفع ہے کہ کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۳۱)

مغروروں کو تنبیہ

اب یہ کشتی کی مثال سے مخاطبوں کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ذرا میں مغرور اور مایوس ہو جانے والے نہ بنو بلکہ امتحان و آزمائش میں صبر کرنے والے اور نعمت میں شکر کرنے والے بنو۔ یہی راستہ سلامتی

کا ہے اور اسی پر چل کر فلاح حاصل کرنے والے بن سکو گے مگر تمھارا حال یہ ہے کہ اس وقت خدا کی عنایت سے جو تمھارے حالات سازگار ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر تمھارے پاؤں ہی نہیں پڑ رہے ہیں حالانکہ یہ سارا نشہ بالکل عارضی ہے۔ اگر ابھی خدا کی کسی پکڑ میں آ گئے تو سارا نشہ ہرن ہو جائے گا اور توبہ توبہ پکار اٹھو گے۔ لیکن یہ توبہ بھی بالکل وقتی ہو گی، جونہی حالات سازگار ہوں گے وہی سرمستی پھر عود کر آئے گی۔ ایک کشتی کے مسافروں کو جس طرح کے حالات پیش آتے ہیں ان سے سبق لو۔ اگر کوئی آزمائش میں صابر اور نعمت میں شاکر رہنا چاہے تو اس کے لیے ان کے حالات میں بڑا درس ہے۔

وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ (۳۲)

یہ اوپر کے اجمال کی تفصیل ہے کہ کشتی کے مسافروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب تک کشتی رواں دواں رہتی ہے اس وقت تک ان کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ خدا کی چلائی ہوئی سازگار ہوا کا کرشمہ ہے کہ وہ سمندر کے سینہ پر سوار اس سکون و راحت کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ اس کو اپنی ذہانت و قابلیت کا کرشمہ سمجھتے ہیں اور خدا اور اس کی قدرت کو بھولے رہتے ہیں۔ لیکن جب دفعتہً کسی گوشے سے طوفانی ہوائیں نمودار ہوتی ہیں اور سائبانوں کی مانند اٹھنے والی موجیں ان کو ڈھانک لیتی ہیں تب ان کو خدا یاد آتا ہے اور وہ سو سو طرح اس سے فریاد کرتے اور آئندہ کے لیے اطاعت و وفاداری کا عہد کرتے ہیں لیکن جب کشتی ساحل پر پہنچ جاتی ہے تو ان میں سے تھوڑے اپنے عہد پر قائم رہنے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے والے نکلتے ہیں، باقی غدار و ناشکرے نکلتے ہیں اور وہ سب خدا کی نشانیوں کو فراموش کر کے اپنی پچھلی سرمستیوں میں کھو جاتے ہیں۔

یہ قریش کے متمردین کو تنبیہ اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ اس وقت ان کے حالات سازگار ہیں اس وجہ سے خدا سے بے نیاز ہیں اور جب ان کو خدا کی پکڑ سے ڈرایا جاتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جب کسی پکڑ میں آ جائیں گے تو توبہ توبہ پکاریں گے۔ پھر جب ڈھیل مل جائے گی تو ان کو اپنا یہ عہد یاد بھی نہیں رہے گا۔ ایسے عہد شکن اور ناشکرے لوگ کسی نشانی سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

'فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ' کے بعد 'وَأَكْثَرُهُمْ كَافِرُونَ' یا اس کے ہم معنی الفاظ محذوف ہیں۔ اس محذوف کو بعد کے ٹکڑے 'وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ' نے کھول دیا ہے۔ 'مُقْتَصِدٌ' کے معنی راہِ حق و عدل پر چلنے والے کے ہیں۔

'وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ'۔ 'خَتَّار'، 'خَتْر' سے مبالغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں ختّار و
بدترین قسم کی بے وفائی و عہد شکنی کرنے والا۔ یہ الفاظ یہاں اوپر کے الفاظ 'صَبَّارٍ شَكُورٍ' کے مقابل میں استعمال کفور

ہوتے ہیں۔ 'صَبَّار' سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہر طرح کے حالات میں اپنے رب کے عہد پر استوار رہتے ہیں۔ اور 'خَتَّار' سے وہ لوگ مراد ہیں جو نعمت میں تو خدا سے بے پروا رہتے ہیں البتہ جب کسی مصیبت میں پھنستے ہیں تو خدا سے عہد و پیمان باندھتے ہیں لیکن یہ عہد و پیمان ان کو صرف اسی وقت تک یاد رہتا ہے جب تک خدا کی پکڑ میں رہتے ہیں، اس سے چھوٹتے ہی وہ اپنے سارے عہد و پیمان کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدترین قسم کی غداری ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے نہ اللہ کی نعمت کی نشانیاں کارگر ہوتی ہیں نہ کوئی تنبیہ ان پر اثر انداز ہوتی۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (۳۳)

آخری تنبیہ

یہ آخری تنبیہ ہے کہ لوگو اپنے رب کی پکڑ اور اس کے قہر و غضب سے بچو اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کچھ کام آنے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آنے والا بن سکے گا بلکہ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ باپ اور بیٹے کا رشتہ سب سے زیادہ قریبی رشتہ ہے۔ جب یہ ایک دوسرے کے کام آنے والے نہ بن سکیں گے تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

زبان کے ایک اسلوب کی بلاغت

یہاں اسلوبِ بیان کی یہ ندرت ملحوظ رہے کہ بیٹے کے کام نہ آسکنے کی نفی میں شدت پائی جاتی ہے۔ فرمایا ہے 'وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا' زبان کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ مبتدا کے اعادے اور فعل کی جگہ اسم کے استعمال نے اس جملہ میں بڑا زور پیدا کر دیا ہے۔ اس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اول تو ہر باپ کو فطری طور پر اپنے بیٹے سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ پیری میں اس کا سہارا بنے گا، دوسری یہ کہ بیٹا اپنی عمر اور صلاحیت کے اعتبار سے باپ کے مقابل میں زیادہ اس بات کا اہل ہوتا ہے کہ اپنے ناتواں باپ کی مدد کر سکے۔ تیسری یہ کہ بیٹے کے اندر جوانی کے سبب سے فتوت و حمیت کا جذبہ بھی زیادہ قوی ہوتا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس دن نفسی نفسی کا یہ عالم ہوگا کہ بیٹا بھی اپنے باپ کے کام آنے والا نہ بن سکے گا۔

اس دنیا کا فریب نظر

یہاں اس دور کے حالات پر نظر رہے جس دور میں یہ آیات اتری ہیں۔ سورۂ عنکبوت کی تفسیر میں بھی ہم اشارہ کر چکے ہیں اور اس سورہ کی آیت ۱۵ کے تحت بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ اس دور میں باپوں کی طرف سے بیٹوں پر ان کو اسلام سے روکنے کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا تھا اور اس کے حق میں بزرگانہ دلیل یہ پیش کی جاتی تھی کہ تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرتے رہو۔ قیامت کے دن تمہارے نیک و بد کے ذمہ دار ہم ہیں۔ یہ آیت اس بات کی تردید کر رہی ہے۔

'اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا' یعنی اللہ کا یہ وعدہ شدنی ہے۔ قیامت آکے

بنے گی تو یہ دنیا کی زندگی تمھیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ یعنی اس دنیا کا نظام چونکہ مجازات کے اصول پر نہیں چل رہا ہے بلکہ اس میں حق کے ساتھ باطل کو بھی مہلت ملی ہوئی ہے اور اہلِ باطل اس میں زیادہ سربلند ہیں اس وجہ سے نادانوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ قیامت کا ڈراوا محض ڈراوا ہے۔ فرمایا کہ یہ چیز کسی کو غلط فہمی میں نہ ڈالے — یہ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس امتحان کے نتائج کے ظہور کا دن بعد میں آنے والا ہے۔

'وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ' یعنی یہ فریبِ نظر اور یہ دھوکا خدا کے بارے میں کسی کو غلط فہمی میں نہ ڈالے کہ خدا نے یہ دنیا بے مقصد بنا ڈالی ہے اور وہ اس کے خیر و شر سے بالکل بے تعلق ہو کر الگ بیٹھا ہوا ہے۔ اگر کسی نے ایسا سمجھا ہے تو وہ خدا کو بہت غلط سمجھا ہے۔ بالآخر ایک دن آئے گا جس دن خدا کا کامل عدل ظاہر ہو گا اس دن اس قسم کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے لوگ اپنی اس حماقت پر اپنے سر پیٹیں گے۔ یہی مضمون 'مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ' والی آیت میں بھی بیان ہوا ہے۔ لفظ 'غرور' اس دنیا کے فریبِ نظر کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور اس فریبِ نظر میں مبتلا کرنے والے شیطان کے لیے بھی اور یہاں دونوں ہی معنی بنتے ہیں۔ البتہ اتنی بات یاد رکھیے کہ 'فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا' میں اس فریبِ نظر پر تنبیہ ہے جو آدمی کو اس دنیا کے باب میں لاحق ہوتا ہے اور 'وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ' میں اس مغالطہ سے آگاہ کیا گیا ہے جو نادانوں کو اللہ تعالیٰ کے باب میں لاحق ہوتا ہے۔ اور فلسفۂ دین کے اعتبار سے یہی دو مغالطے ہیں جو تمام گمراہیوں کی جڑ ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۳۴)

یہ ایک دفعِ دخلِ مقدر یعنی ایک شبہ یا اعتراض کا برسرِ موقع جواب ہے۔ مخالفین کو جب قیامت سے ڈرایا جاتا تو وہ جھٹ یہ سوال کرتے کہ 'مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ' آخر یہ دھمکی کب پوری ہو گی! اگر اس کو آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتی! اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کے آنے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اگر اس کا وقت معلوم نہیں ہے تو اس سے اس حقیقت کی نفی نہیں ہو جاتی۔ زندگی کی کتنی حقیقتیں ہیں جن کے وقت اور ان کی نوعیت کا کسی کو علم نہیں ہوتا لیکن کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کرتا — بارش ہوتی ہے اور اس کے ہونے سے کوئی انکار نہیں کرتا لیکن اس کے ٹھیک ٹھیک وقت، اس کی مقدار اور اس کے مقامات کو کون بتا سکتا ہے! اس زمانے میں انسان نے سائنس میں بڑی ترقی کر لی ہے اور حکومتیں لاکھوں کروڑوں روپے محکمۂ موسمیات پر خرچ کرتی ہیں لیکن ان محکموں کی پیشین گوئیوں کی حقیقت ظن و تخمین سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک عورت حاملہ ہوتی ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ عورت جنے گی، لیکن کیا جنے گی اور کب جنے گی اس کو خدا کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ علیٰ ہذا القیاس کسی کو یہ پتہ نہیں کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا، کیا فرائض انجام دے گا اور کن حالات و مشاغل میں اس کی زندگی گزرے گی۔ بڑے بڑے

ایک شبہ کا ازالہ

ضابطہ پسندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بڑی احتیاط سے اپنے پروگرام بناتے ہیں اور بڑی وضع داری سے ان کو نباہتے ہیں لیکن عین وقت پر کوئی ایسی افتاد پیش آجاتی ہے کہ ان کا سارا پروگرام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ افراد تو درکنار حکومتوں تک کا حال یہ ہے کہ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ منصوبہ بندی کرتی ہیں کہ اس سال ہم اپنے ملک میں اتنی گندم یا اتنا چاول پیدا کریں گے لیکن ذرا سا موسم کا تغیر و تبدل اور بارش کا اتار چڑھاؤ ساری منصوبہ بندی پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اور زیادہ دور کیوں جائیے، آدمی کے لیے خود اپنی زندگی اور موت کا مسئلہ کتنی اہمیت رکھنے والا ہے لیکن کون جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا اور کہاں دفن ہوگا! آدمی گھر سے ہنسی خوشی کسی تقریب کے لیے نکلتا ہے اور وہاں سے اس کی لاش آتی ہے۔ پیدا کہاں ہوتا ہے، رہتا بستا کہیں ہے اور دفن کہیں ہوتا ہے۔ تو جب اتنی قریب کی ایسی واضح حقیقتوں کا علم بھی انسان کو نہیں ہے حالانکہ یہ زندگی کے وہ حقائق ہیں جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا تو قیامت کا اگر وقت نہیں معلوم ہے تو وہ کیوں مشتبہ ہوجائے!!

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ، اصلی علیم و خبیر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی لیکن وہ آئے گی ضرور۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے وقوع کی شہادت دے رہا ہے۔

ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

اتوار۔ ۸ بجے دن
۲۸/جولائی ۱۹۷۴ء
رحمان آباد